© rasailojaraid.com

ہیں۔ صحیح بخاری میں یہ روایت مطولاً و مختصراً پانچ جگہ مذکور ہے اور نسائی نے تفسیر میں اس کو روایت کیا ہے۔[۵۱]

دوستوں کا بیان

یہ کفار کی وہ شہادتیں ہیں جو انھوں نے اس وقت دیں جب کہ وہ آپ کے خون کے پیاسے تھے۔ اب ان لوگوں کی شہادتیں سُنیئے جو بعثت سے پہلے آپ کے ہر طرح ہمدم و ہمنوا تھے اور جنھوں نے خلوت و جلوت میں ہر طرح آپ کو دیکھا اور پرکھا تھا۔

بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا رازدان دنیا میں اور کون ہو سکتا ہے، جو زندگی کی ساتھی، تنہائی کی انیس اور اندر کی ہر ایک چیز سے واقف اور باخبر ہوتی ہے ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو نبوت سے پہلے پندرہ سال آپ کی خدمت زوجیت میں گزار چکی ہیں، آغازِ وحی میں آپ کو کس طرح تسلی دیتی ہیں۔

"کلا واللہ ما یخزیك اللہ ابدا انك لتصل الرحم و تصدق الحدیث و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تقری الضیف و تعین علی نوائب الحق۔

(صحیح بخاری بدء الوحی کتاب التفسیر و کتاب التعبیر و صحیح مسلم کتاب الایمان)

(ترجمہ) ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! خدا آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، عاجزوں کا بار اٹھاتے ہیں، جو چیز دوسری جگہ نہ مل سکے وہ آپ عطا کر دیتے ہیں، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں، مصیبتوں میں کام آتے ہیں۔"

۵۱؎ ملاحظہ ہو عینی شرح بخاری، جلد ۱ صفحہ ۹۸، طبع استنبول۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر گنگا ناتھ جھا ایم اے۔ ال ال ڈی

وحدتِ وُجود
ہندو فلسفے میں

ہندوستان ابتدا سے وحدت و جامعیت کا گہوارہ رہا ہے۔ اختلافات کو رفع کر کے اتحاد پیدا کرنا، بچھڑے ہوؤں کو ملانا، تنوع میں یک رنگی پیدا کرنا، یہ ازل سے اس کا شعار رہا ہے۔ خود "رگ وید" میں جس سے قدیم تر کتاب پردۂ ارض پر موجود نہیں، یہ ارشاد موجود ہے کہ مختلف اہلِ علم ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیریں کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنشدوں میں اسی اصول کی بار بار تصریح ہے اور مختلف استعارہ و مجاز کے پردے میں کثرت سے اس کی تکرار کی گئی۔ حکمائے ہند مدتوں اس حقیقت پر ایمان رکھتے تھے اور باوجودیکہ آگے چل کر ہر شعبۂ زندگی میں نہایت کثرت سے اختلافات پیدا ہوتے گئے لیکن اس اصول سے کسی نے کبھی انکار نہ کیا۔ یہاں تک کہ "شنکراچاریہ" کا زمانہ آیا اور اس سرزمین کی حیاتِ عقلی میں دورِ انحطاط شروع ہوا، اس نے اس اصول کے حدود سے قدم بڑھا کر یہ دعویٰ کیا کہ یہ تمام مظاہر و حوادثِ کائنات جو ہمارے علم میں آتے ہیں، یہی نہیں کہ ایک حقیقت کے مختلف پرتو ہیں بلکہ سرے سے غیر حقیقی و باطل ہیں۔ اس کا مسلک یہ تھا کہ تمام محسوسات و مدرکات قطعاً کوئی حقیقی و خارجی وجود نہیں رکھتے بلکہ تمام تر ہمارے واہمہ و متخیلہ کی پیداوار ہیں، اس متشککانہ تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں میں متشککین و متیقنین وغیرہ کی پرجوش معرکہ آرائیاں شروع ہو گئیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مضمون ہٰذا میں اس تشکیک سے بحث نہیں بلکہ یہاں صرف وحدتِ وجود کے اس قدیم عقیدے پر ایک نظر کرنا مقصود ہے جس کا عملی نتیجہ یہ تھا کہ سارے ملک میں ایک عقلی و سیاسی اتحاد قائم تھا اور اہلِ ہند کی طرزِ معاشرت میں کسی طرح کی عسکریت و جدال آرائی نہ تھی بلکہ اس کے بجائے ایک عام اخوتِ انسانی کا عقیدہ جاری و ساری تھا۔

موجودات میں یہ وحدت کس قسم کی ہے؟

عام ویدانتی تو اس مسئلہ پر کبھی غور ہی نہیں کرتے بلکہ محض نفسِ وحدت کو اعتقاداً مانتے چلے جاتے ہیں، البتہ یورپ کے ویدانتی اور تھیاسوفسٹ گروہوں نے اس پر غور کیا لیکن ان کے جوابات پوری طرح تسلی بخش نہیں، ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ وحدت اس دارِ فانی سے متعلق نہیں بلکہ عالمِ عقبیٰ سے متعلق ہے اور بعض کا مسلک یہ ہے کہ اس وحدت سے روحانی وحدت مراد ہے، نہ کہ مادی۔ میرے نزدیک یہ دونوں تشریحات ناکافی ہیں، بلکہ جس وحدت کی تعلیم دی گئی ہے وہ محض روحانی نہیں بلکہ کائناتِ مادی پر بھی پوری طرح حاوی ہے۔

اہلِ فلسفہ کو ہم بلحاظ عقائد دو بڑے گروہوں میں رکھ سکتے ہیں، ایک گروہ وہ ہے جو خدا پرست ہے، وجودِ باری کا قائل ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ کائنات اس کی مخلوق ہے۔ دوسرے طبقہ میں منکرین و متشککین شامل ہیں یعنی وہ لوگ جو اس خیال کے منکر یا کم از کم اس باب میں متشکک یا ساکت ہیں۔ جو گروہ خدا کا قائل ہے وہ تو وحدتِ وجود سے انکار کر ہی نہیں سکتا اس لیے کہ اس قدر تو اسے بہرحال مسلم ہوگا کہ تمام مخلوقات کی آخری بنیاد ذاتِ خالق ہے اور اس لیے مخلوقیت تمام اجزائے کائنات میں مشترک ہے، تمام موجودات عارضی و بے ثبات ہیں، وجودِ حقیقی صرف ذاتِ باری کا ہے جو قائم بالذات ہے اور وہ ایک ہی ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ اس ذاتِ حقیقی کی ماہیت اور اس کے صفات کیا ہیں، اس میں جو کچھ بھی اختلافات ہوں اتنا تو بہرصورت ہر خدا پرست فلسفی کو تسلیم کرنا ہوگا کہ کائنات کی علت العلل وہی ذات ہے اور عقیدۂ وحدتِ وجود کے لیے اس قدر کافی ہے۔

لیکن منکرین و متشککین کی تشفی اس آسانی سے نہیں ہو سکتی، ان کی تسکین کے لیے ذرا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمیق نظر سے یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ موجوداتِ عالم میں بہ ایں ہمہ تنوع و اختلاف رشتہ اتحاد کیا ہے؟

اتنی بات پر ہر زمانہ کے فلاسفہ کو اتفاق رہا ہے کہ کوئی شئے ایسی ضرور ہے جو کائنات کے اجزا میں مشترک ہے اور ان سب کو ایک رشتہ میں منسلک کیے ہوئے ہے۔ اہلِ جرمنی نے اس کا نام (Being) وجود رکھا کہ تمام موجودات اپنی صفتِ وجود میں متحد ہیں، سنسکرت میں اس کو "ست" سے موسوم کرتے ہیں یعنی ہستی۔ گویا بلحاظِ ہستی کل کائنات ایک ہے جو کچھ موجود ہے، اس لحاظ سے کہ "ہست" ہے، ایک ہے، یہی "ہستی" تمام موجودات کے درمیان رشتۂ اتحاد ہے، جو شے موجود ہے حقیقت رکھتی ہے اور جو موجود نہیں ہے کوئی حقیقت نہیں رکھتی، گویا حقیقتِ اشیاء کا انحصار ہستیٔ اشیاء پر ہے اور یہ ہستی ہی ایسی شے ہے جو تمام موجودات میں وحدت پیدا کیے ہوئے ہے۔

لیکن فطرتِ انسانی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ذہن اپنے سامنے وحدتِ وجود کا جو تخیل قائم کرتا ہے، اس کی تسکین محض مجردات سے نہیں ہو سکتی، اس کے اطمنان کے لیے "ہستی" "وجود" وغیرہ کلیاتِ مجردہ بالکل ناکافی ہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی شخصیت، کسی ذاتِ فعال کا وجود پیش نظر ہو۔ اس بنا پر حکمائے ہند نے مجرد ہستی یا وجود پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ایک صفت "شعور" کی بھی اضافہ کر دی یعنی تمام موجودات میں محض ہستی ہی مشترک نہیں، بلکہ شعور بھی مشترک ہے۔ انسان و حیوان، جمادات و نباتات، شجر و حجر یہ سب ہستی ہی کے مظاہر نہیں بلکہ ان سب میں شعور کی جلوہ آرائیاں بھی ہیں۔

یہ عقیدہ اگرچہ حکماء ہند کی تعلیم میں شروع ہی سے موجود ہے تاہم حکمائے یورپ بھی اس سے بالکل بے گانہ نہیں، ان کے ہاں تصوریت (IDEALISM) کے جو مختلف مذاہب پیدا ہوتے رہے ہیں، ان سب کا ماحصل یہ ہے کہ حقیقت اشیاء تمام تر مشتمل ہے تصور پر، لیکن یہ کہنا صاف اس امر کا اقرار کرنا ہے کہ شعور سے خارج حقیقت کے کوئی معنیٰ نہیں اور شعور چونکہ ایک مجرد شئے ہے اس میں تعدد کو دخل نہیں، اس لیے اس کی وحدت بھی ظاہر ہے، پھر چوں کہ تعلق باہمی کی بنیاد بھی شعور پر ہے اس لیے شعور کو موجودات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں مشترک ماننے کے معنیٰ یہ ہیں کہ تمام موجودات میں یکجہتی، یکرنگی و یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے، من و تو کے امتیازات اٹھ جاتے ہیں اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ وحدت کے رنگ میں ڈوبا ہوا نظر آنے لگتا ہے، جس کا اثر عملی زندگی پر یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے اعمال میں نہایت محتاط ہو جاتا ہے کیوں کہ اب وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے اس کا اثر اس کی ذات، اس کی شخصیت تک محدود نہیں بلکہ تمام کائنات اس سے متاثر ہو رہی ہے۔

آج کل ٹیلی پاتھی (Tele pathy) کا جو طریقہ نکلا ہے وہ اس حقیقت کی توثیق کرتا ہے کہ شعور کی جو کیفیت ہم میں موجود ہے وہی سارے جہاں پر محیط ہے۔ ٹیلی پاتھی کو عرصہ تک شک و بدگمانی کی نظروں سے دیکھا گیا لیکن اب اس کی واقعیت مستند حلقوں میں بھی مسلم ہو گئی ہے، اس اشراقیت کی جس کی بنا پر ہم میں غیب دانی آجاتی ہے یعنی یہاں ہم بیٹھے ہوئے دور دراز کی خبریں بتا دیتے ہیں، مختلف توجیہات کی جاتی ہیں لیکن عقیدۂ وحدتِ وجود کی روشنی میں یہ مسئلہ بالکل صاف و واضح نظر آتا ہے۔ جب یہ مسلم ہے کہ جو شعور ہم میں ہے، اسی کی جلوہ آرائیاں کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہیں تو اس میں کیا استبعاد ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے ہمارا شعور زمان و مکان کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اور جسم اور مادہ کی قیود کو توڑ کر اپنی ہستی کو شعورِ کل میں منضم کر دے، قطرہ اپنے کو دریا میں ملا دے اور اس طرح جزو کل پر مطلع و خبردار ہو جائے؟

یہاں تک مسئلہ پر صرف نظری و فلسفی حیثیت سے گفتگو تھی لیکن کیا سائنس کے مادی شواہد اس کے کچھ بھی منافی ہیں؟

کیمیائیات کے تازہ ترین انکشافات کا ماحصل یہ ہے کہ نظریہ سالمی ( ) کا جس کے سہارے مادیت کی عمارت قائم تھی، بطلان ہو چکا ہے، اس نظریہ کا منشا یہ تھا کہ مادہ کائنات چند مختلف عناصر میں منقسم ہے اور ہر عنصر انتہائی تحلیل کے بعد ایک خاص سالمہ پر جاکر ٹھہرتا ہے جس کی مزید تحلیل نہیں ہو سکتی، گویا جس قدر عناصر تھے، اسی تعداد میں ناقابل تحلیل و تجزی سالمات بھی تھے لیکن اب کیمیا کی تحقیقات یہ ہے کہ یہ عناصر و سالمات کوئی مستقل وجود نہیں رکھتے بلکہ یہ سب مرکب ہیں ذرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہربائی (الیکٹرن) سے۔ مگر خود کہربا کیا شئے ہے؟

کیمیا کا جواب ہے کہ وہ ایک قسم کی قوت ہے۔ ابھی کیمیادی تحقیقات یہیں تک پہنچی ہے لیکن کیا عجب ہے کہ چند ہی روز میں اس ایک قسم کی قوت کے ڈانڈے شعور سے آکر مل جائیں؟ کیمیا کا محقق اس قدر اب بھی تسلیم کرنے لگا ہے کہ کائناتِ مادی تمام تر ایک خاص طرح کی قوت کا کرشمہ گاہ ہے، اس کے بعد اسے صرف اس قدر اور کہنا باقی رہ جاتا ہے کہ یہ خاص طرح کی قوت وہی ہے جسے الٰہیات کی اصطلاح میں شعور کہتے ہیں۔

طبیعیات کے علماء روز بروز اس طرف کھنچتے آتے ہیں، طبیعیات کا ایک نہایت ممتاز محقق جو لندن کے مشہور مرکز سائنس رائل انسٹیٹیوشن کا رکن ہے، لکھتا ہے کہ

"حیوانات، نباتات و معدنیات سب کی حرکتوں میں ایک نقطہ ایسا آتا ہے، جہاں سب کی حرکتیں بالکل متحد ہو جاتی ہیں۔"

(صفحہ ۱۸۴)

پھر کہتا ہے:

"جسم انسانی کے ایک ایسے نازک عضو کی جیسے کہ مشبکہ ہے بعض حرکتیں جسم غیر عضوی کی بعض حرکتوں کے بالکل مماثل ہیں۔"

(صفحہ ۱۸۹)

چند سطریں آگے بڑھ کر کہتا ہے:

"جسم ذی حیات کی حرکتیں بہ این ہمہ تنوع دراصل انھیں حرکتوں کا اعادہ ہیں جو جسم غیر عضوی میں پائی جاتی ہیں۔" (صفحہ ۱۸۹)

ایک جگہ اور:-

"تحقیقاتِ بالا ممکن ہے کہ ہم کو اس نتیجہ تک پہنچا دیں کہ یہ تمام صورتِ حال ان غیر متغیر قوانین کے عمل کا نتیجہ ہے جو کائنات عضوی و غیر عضوی دونوں پر یکساں و مساوی عامل رہتے ہیں۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گو وہ دن قریب آتا جاتا ہے جب مغرب کا فلسفی بھی قدیم "ہندو فلسفی" کی طرح اپنے آپ کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور پائے گا کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہے سب شعور ہی کے مختلف مظاہر و شئون، سب اسی کی جلوہ آرائیاں و نیرنگیاں ہیں۔

آخر میں صرف ایک سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ جب یہ موجودات عالم ایک ہی نور کا پرتو ہے تو اس قدر تنوع و بےرنگی، تخالف و تضاد کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بغیر اس کے شعور مطلق کا ظہور و شہود ممکن ہی نہیں، شعور مطلق بجائے خود ہمہ وحدت ہے لیکن جب اسے اپنے تئیں عرصہ شہود میں لانا منظور ہوا تو یہ شہود بغیر اس کے ممکن ہی نہ تھا کہ کثرت پیدا ہو۔ اور جب کثرت ہوئی تو امتیاز کے لیے لازم آیا کہ تخالف و تنوع بھی ہو۔ اس بنا پر یہ ناگزیر تھا کہ شعور مطلق اپنے مختلف مظاہر و شئون میں اپنے تئیں مختلف لباسوں میں نمودار کرے۔ جمادات کے قالب میں وہ اپنے خصوصیات جمادات کی رکھتی ہے نباتات کے عالم میں وہ صفات نباتی سے متصف ہوتی ہے، حیوانات کے مرتبہ پر پہنچ کر وہ لباس حیوانی میں جلوہ آرا ہوتی ہے۔ اگر وہ یہ مختلف اوضاع نہ تبدیل کرے تو کائنات کا وجود یعنی اس روح مطلق کا شہود ممکن کیونکر ہو؟ تحدید و تعین پیدا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کثرت و تعدد بھی پیدا ہو۔

رہا یہ امر کہ اس نے کیوں تحدید و تعین پسند کیا اور ابتداً اس پر کیونکر عمل کیا؟ یہ وہ "اسرار لاہوتی" ہیں جن کے چہرہ سے دنیا کا کوئی فلسفہ نقاب نہیں اٹھا سکتا۔ "ہندو فلسفہ" اس کے متعلق یہ کہتا ہے کہ اس کے اس عمل ظہور و شہود کی ابتداء زمان میں ہوئی ہی نہیں بلکہ یہ اس ہستی مطلق کی فطرت میں داخل ہے، وہ ازل سے برابر اسی طریق پر ہے یعنی ایسا کبھی کوئی زمانہ نہ تھا جب وہ اس صفت سے متبری ہو اور اس کے بعد اسے اختیار کیا ہو بلکہ وہ ہمیشہ سے اسی وضع پر ہے۔ جب تمام مظاہر و شئون کا ایک دور ختم ہو جاتا ہے تو پھر از سر نو وہی پچھلی باتیں شروع ہو جاتی ہیں اور اس طرح یہ سلسلۂ دور و تسلسل اپنے آغاز و انجام دونوں سے بیگانہ ہے جس طرح کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ کب اور کیونکر اول بار درخت سے تخم، یا تخم سے درخت پیدا ہوا، اسی طرح یہ بھی نہیں معلوم ہو سکتا

© rasailojaraid.com